مقالات :

حضرت مولانا عبدالرحمان کیلانی

قسط (۲)

انسانی حقوق اور تعلیماتِ نبویؐ

۵۔ معاشرتی حقوق :

اسلام معاشرہ کے افراد میں اونچ نیچ کا قائل نہیں، بلکہ مساوات کا حامی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ___ الاٰیۃ !"

(الحجرات : ۱۳)

"لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے، جو زیادہ متقی ہو!"

انسان کے اس فطری حق کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں یوں وضاحت فرمائی :

"ایّھا النّاس انّ ربّکم واحد و انّ اباکم واحد کلّکم بنوا ادم وادم من تراب، الا لا فضل لعربیّ علیٰ عجمیّ ولا لعجمیّ علیٰ عربیّ ولا لاحمر علیٰ اسود ولا لاسود علیٰ احمر الاّ بالتّقوٰی" (مسند احمد)

"لوگو! بلاشبہ تم سب کا رب ایک اور باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو، اور آدمؑ مٹی سے پیدا کیے گئے تھے ___ سن رکھو! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، نہ ہی کسی گورے کو کالے پر اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل ہے ___ فضیلت اگر

ہو سکتی ہے تو صرف تقویٰ کی بناء پر ہو سکتی ہے !"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک سے قومیت پرستی، وطنیت پرستی اور لونی اختلافات و فسادات کی جڑ کٹ جاتی ہے، جو آج کل بین الاقوامی اور بین المملکتی فسادات نیز جنگ وجدال کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

پھر اس سلسلہ میں آپؐ کا اندازِ تربیت بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ ایک جلیل القدر صحابی اور سابقون الاوّلون میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان سے خصوصی پیار بھی تھا۔ حضرت ابوذرؓ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو بُرا بھلا کہا اور اس کی ماں کو گالی دی[1]، تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا :

"یا اباذر، غیّرتہٗ بامّہٖ اِنّك امرءٌ فیك امر الجاهلیة"

"اے ابوذر! تو نے اسے (حضرت بلالؓ کو) اس کی ماں سے عار دلائی ہے۔ تو ایسا شخص ہے جس میں ابھی تک جاہلیت کا اثر باقی ہے !"

۶۔ معاشی حقوق :

سرمایہ دارانہ نظام میں معاشی حقوق کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، خواہ اس بنار پر معاشرہ کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچے ـــــ اس کے اخلاق تباہ ہوں، بے حیائی اور فحاشی کو فروغ ملے ! مثلاً لوگوں کو گندم کی ضرورت ہو، لیکن سرمایہ دار یہ سمجھے کہ اس وقت اسے شراب بنانے میں زیادہ فائدہ ہے تو وہ شراب ہی مہیا کرے گا اور حکومت اس پر کوئی گرفت نہ کرے گی۔ اس کے برعکس اشتراکیت میں یہ حقوق یکسر چھین لیے گئے ہیں۔ چنانچہ ہر شخص کے لیے کاروبار حکومت خود تجویز کرتی ہے، اور اسے بس ایک مشین کی طرح وہ کام کرنا پڑتا ہے۔

---

[1] یہ شخص حضرت بلالؓ تھے۔ اور حضرت ابوذرؓ نے جو ماں کی گالی دی، وہ صرف یہ تھی کہ انھوں نے کہا تھا، "اے کالی ماں کے بیٹے !" ـــ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر جب ناراضگی کا اظہار فرمایا تو حضرت ابوذرؓ نے حضرت بلالؓ سے معافی مانگی اور اپنا گال زمین پر رکھ کر کہنے لگے، "اس وقت تک اپنا گال نہ اٹھاؤں گا، جب تک بلالؓ اپنے پاؤں سے نہ روندیں" (وحید الزمان مترجم بخاری)

اسلام میں اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے مگر چند در چند پابندیوں کے ساتھ۔ مثلاً جو چیزیں شریعت نے حرام قرار دی ہیں، ان کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ چنانچہ شراب نوشی اگر حرام ہے تو شراب فروشی بھی حرام ہے۔ اگر مردار حرام ہے، تو اس کی کسی بھی چیز کو نہ فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی خود اس سے کچھ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ـــــ چوری، ڈاکہ، غصب رشوت، رہزنی وغیرہ، اور ان سے حاصل شدہ مال بھی حرام ہے۔

حرام اشیاء میں سرِفہرست سود ہے۔ سود اور اس کی تمام شکلوں کو ـــــ خواہ یہ مہاجنی قرضے ہوں یا کمرشل انٹرسٹ، سود مفرد ہو مرکب یا ڈس کاؤنٹ (منی کاٹا) یا مارک اَپ اور مارک ڈاؤن ـــــ شریعت نے نہ صرف حرام، بلکہ اسے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے مترادف قرار دیا ہے۔ کیوں کہ طبقاتی تقسیم جس قدر سود سے بڑھتی ہے، اور کسی چیز سے نہیں بڑھتی، جو بالآخر فتنہ و فساد اور لوٹ مار پر منتج ہوتی ہے۔ سود چونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا ہے، اس لیے اس کی کوکھ سے اس کی دوسری انتہا اشتراکیت نے جنم لیا ـــــ سود کی حرمت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں بالخصوص اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"وربا الجاهليّة موضوع واوّل ربا اضع من ربانا ربا عبّاس بن عبدالمطّلب فانهٗ موضوع كلّهٗ"

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجّۃ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم)

"دورِ جاہلیت کا سود موقوف کیا جاتا ہے۔ اور پہلا سود جو میں تمام کا تمام موقوف کرتا ہوں، وہ اپنے قبیلہ میں سے عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود ہے!"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپؐ کے حقیقی چچا تھے، جو تجارت کے لیے رقم سود پر دیا کرتے تھے۔ گویا آپؐ نے اس اصلاح کا آغاز اپنے گھر سے کر کے سود کا جزیرۃ العرب سے خاتمہ کر دیا۔

اسلام انسان کی کمائی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، ایک حلال، دوسرا حرام! حرام کمائی کی تمام تر تفصیلات کتاب و سنّت میں مذکور ہیں۔ اس حرام کمائی سے بچتے ہوئے ہر انسان پیشہ کا انتخاب نیز کمائی کے ذرائع کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔ اور اس طرح جتنی

بھی دولت وہ کما لے، یہ اس کی جائز آمدنی اور اس کی ملکیت ہوگی۔

تاہم اس جائز کمائی پر بھی کچھ پابندیاں عائد ہیں۔ اسلام مال کو ضائع کرنے، دولت کے بے جا استعمال اور عیاشانہ زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ اس نے اس آمدنی میں زکوٰۃ وصدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کی صورت میں دوسروں کے حقوق کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ یوں معاشرہ کے محروم طبقات کو ان کا حق بھی مل جاتا ہے، دولت میں گردش بھی ہوتی ہے، اور معاشرہ فساد و بدامنی کا شکار بھی نہیں ہوتا۔ نیز طبقاتی تقسیم میں از خود نمایاں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

۷۔ سیاسی حقوق :

آج کل سیاسی حقوق کا بڑا چرچا ہے۔ ہر بالغ انسان کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، رائے دہی کا حق حاصل ہے، اور مملکت کا ہر شہری بلا تخصیص مرد و زن بڑے سے بڑے سرکاری منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔ اسلام ایسے غیر مشروط سیاسی حقوق کا قائل نہیں ہے۔ اسلام نے عورت کو سیاسی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ جب وہ اپنے گھر کی سربراہ بھی نہیں بن سکتی، تو ایک علاقہ یا ملک کی کیسے بن سکتی ہے؟ نیز اسلامی نقطۂ نظر سے ہر ایرے غیرے نتھو خیرے سے رائے طلب کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ رائے صرف اس شخص سے لی جائے گی، جو اس کا اہل ہو۔ حیرت کی بات ہے کہ ہم اپنے ذاتی اُمور میں تو رائے صرف اس شخص سے لیتے ہیں، جسے اس کا اہل سمجھتے ہیں ـــــ ہر کسی سے نہ مشورہ کرتے ہیں نہ رائے لیتے ہیں، تو پھر کیا امورِ مملکت ہی ایسے گئے گزرے معاملات ہیں کہ ان کے بارے میں اس پابندی کو یکسر ختم کر دیا جائے؟

سیاسی اُمور میں اسلام باہمی مشورہ کی تاکید کرتا ہے، اور رائے دہی کا حق بھی دیتا ہے۔ مگر رائے دہی پر پابندیاں یہ ہیں کہ وہ مسلمان ہو، کم از کم نماز اور زکوٰۃ ادا کرتا ہو، سمجھ دار ہو اور کوئی ایسا جرم نہ کر چکا ہو، جس کی بناء پر اس کی شہادت ناقابلِ قبول ہو۔ ایسے لوگوں سے خلیفہ کے انتخاب میں رائے لی جا سکتی ہے۔ اور مناصب کے لیے چند شرائط بھی ہیں، جیسے علوم شریعت سے واقفیت اور تقویٰ وغیرہ۔

جمہوریت میں عہدہ یا منصب کے حصول کو ہر فرد کا حق قرار دیا گیا ہے، جبکہ شرعی

نقطۂ نظر سے یہ حق نہیں، بلکہ ایک گرانبار ذمہ داری ہے۔ اسی لیے عہدہ کی طلب کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔

۸۔ عدل وانصاف کا حق :

ہر شہری کا یہ حق ہے کہ اسے عدل وانصاف مہیّا ہو، مُفت مہیّا ہو اور بلا تاخیر مہیّا ہو۔ اور یہ حق اس قدر اہم ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

"اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۔ الْاٰيَة" (النّسآء : ۱۰۵)

"اسے پیغمبرؐ، ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے، تاکہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کریں۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں جتنے فیصلے فرمائے، ان میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی تھیں۔ عدل وانصاف میں تاخیر بذاتِ خود بہت بڑا ظلم ہے۔ اب ہمارے ہاں عدالتوں کا جو حال ہے، وہ خود ملاحظہ فرما لیجیے۔ عدل وانصاف کا حصول انتہائی مہنگا ہے، اور فوجداری مقدمات پر بھی سال ہا سال لگ جاتے ہیں۔ دیوانی مقدمات کا تو اور بھی بُرا حال ہے۔ ایک غریب آدمی کے لیے عدل وانصاف کا حصول تقریباً ناممکن بن چکا ہے۔ ہماری عدالتوں کے اس طریقِ کار کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ جرائم کی تعداد میں دم بدم اضافہ ہو رہا ہے، اور معاشرہ میں امن وامان کی صورت پریشان کُن بن چکی ہے۔

اسلامی قانون کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہاں قانون ساز خود اللہ تعالیٰ ہے، جس کی نظر میں شاہ وگدا، امیر وغریب، آقا وغلام سب برابر ہیں، لہٰذا شرعی قانون سب پر ایک ہی جیسا لاگو ہے۔ اسلام کی یہی وہ صفت ہے جو اسے دوسرے تمام نظامہائے حیات سے ممتاز کر دیتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دوسرے تمام نظاموں میں قانونی حاکمیت یا تو کسی ایک انسان کی ہوتی ہے یا کسی ادارہ یا پارلیمنٹ کی۔ ایسے حاکم یا قانون ساز ادارے اپنے آپ کو بہرحال قانون کی گرفت میں آنے سے بچائے رکھتے ہیں۔

۹- آزادئ رائے کا حق :

آزادیٔ رائے اگر معقول حدود میں ہو تو مثبت نتائج پیدا کرتی ہے، اور یہ بے لگام و بے مہار ہو تو یہ ہزاروں فتنے پیدا کر کے مملکت کی سرحدوں کو کمزور کرتی رہتی ہے جس کے نتیجہ میں وقتاً فوقتاً حکومتوں کو اس لامحدود آزادی کو مختلف پابندیوں اور اخلاقی ضابطوں سے محدود کرنا پڑتا ہے۔

اسلام نے آزادیٔ رائے کو جائز اور لازم قرار دیا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ کتاب و سُنّت کے مطابق ہو۔ خلفائے راشدینؓ کے دور میں ہر مسلمان کو آزادیٔ رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کا پُورا پُورا حق حاصل تھا، جسے وہ اپنا دینی فریضہ تصور کرتا تھا، تاکہ عوام کو ان کے جائز حقوق مل سکیں اور ملک میں نیکی کی حوصلہ افزائی اور برائی کا استیصال ہو۔ یہاں یہ حق کسی خاص جماعت یعنی حزبِ اختلاف کو نہیں کہ وہ حکومت کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرے اور اس کے اچھے کاموں کی بھی مذمت کرتی رہے۔ کیونکہ اسلامی شوریٰ میں باقاعدہ حزبِ اختلاف کا وجود ہی نہیں ہوتا۔

تاریخِ اسلام میں کئی ایسے واقعات مذکور ہیں کہ عام مسلمانوں نے خلفاء پر گرفت کی اور انھوں نے اسے تسلیم ہی نہ کیا، بلکہ اس جذبۂ تنقید کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔ ایسے واقعات کا اس مختصر مقالہ میں ذکر کرنا بہت مشکل ہے۔

(جاری ہے)

- حرمین کی توسیع اشاعت کے لیے کوشش آپ کا دینی، اخلاقی فریضہ ہے۔
- پانچ مستقل خریدار مہیا کرنے پر ایک سال کے لیے "حرمین" مفت جاری کیا جائے گا۔
- ایجنسی ہولڈر حضرات اپنے آرڈر جلد بک کرائیں، معقول کمیشن دیا جائے گا۔

شکریہ!

(مینجر "حرمین")